© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

اوّلاً یہ معذرت طلبی کہ ترجمان القرآن کے سابق شمارے میں بہت سی غلطیاں رہ گئیں۔ مزید یہ کہ اگست کا شمارہ بہت تاخیر سے آپ تک پہنچ رہا ہے اور دونوں کی وجہ مشترک یہ کہ مجھے میز پر کام کرتے کرتے یکایک اُٹھ کے امریکہ روانہ ہو جانا پڑا۔

اب میں، اس کوشش میں ہوں کہ جس شمارے (ستمبر) کے یہ اشارات ہیں، وہ صحتِ کتابت و طباعت کے لحاظ سے بھی قابلِ اطمینان ہو، اور کسی بڑی تاخیر کے بغیر، بلکہ وقت پر نکل سکے۔

مشکل یہ کہ میرا نہ کوئی نائب ایسا موجود ہے کہ جسے میں آگے کا کام سونپ جاتا، اور نہ مصروفیت کے اس دور میں یہی ممکن ہے کہ کسی دوسرے رفیق سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ میرے خالی کردہ محاذ کو خالی نہ رہنے دیں گے۔

اب ذرا ہمارے سفر کی شان بھی تو دیکھیے کہ جیسے کوئی شخص خواب ہی خواب میں ہزاروں میل کی گردش کر لے۔

۱۹ جون کو لاہور سے اور ۲۰ کو کراچی سے روانگی۔ ۲۰ کی دوپہر دوبئی کے ہوائی اڈے پر اور رات ایک ہوٹل میں۔ ۲۱ کو دوبئی سے، فرینکفرٹ اور پیرس ہوتے ہوتے لندن۔ رات یو کے اسلامک مشن کے دفتر میں قیام۔ ۲۳ کی شام کو نیویارک، پھر فلوریڈا، ڈیٹرائیٹ، پھر انڈیاناپلس، پھر بالٹی مور، پھر واپس نیویارک، ۱۳ جولائی کو نیویارک سے کاسابلانکا اور قاہرہ ہوتے ہوئے جدہ، ۱۶ کو مکہ معظمہ، ۱۸ کو مدینہ منورہ، ۱۹ کو جدہ، ۲۰ کو پھر مکہ معظمہ، ۲۱ کو واپسی، ۲۲ کی صبح کو کراچی اور دوپہر کو لاہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں "تشریف آوری"!

یوں سمجھیے کہ "بس پھر آنکھ کھل گئی"۔ پھر وہی ہم ہیں، پھر وہی غم!

؎ "جب آنکھ کھل گئی تو موسم تھا خزاں کا"۔

مکانی لحاظ سے ہزاروں میل طویل، اور زمانی لحاظ سے تقریباً ایک ماہ میں محدود اس سفر کا بیش قیمت باب یہ تھا کہ محترم مولینا سید ابوالاعلیٰ مودودی سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ مولانا لاہور سے ۲۸ مئی کو روانہ ہوئے تھے۔ میں ۱۹ جون کو چلا۔ اواخر جون (غالباً ۲۸ یا ۲۹ کو) ملاقات ہوئی۔ یعنی ایک مہینے کے وقفے سے۔

نیویارک پہنچنے کے تیسرے روز مولینا سے ٹیلیفونی رابطہ قائم کیا۔ سلام و آداب کے بعد عرض کیا کہ میں کسی دن حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ فرمایا کہ آپ جب چاہیں آجائیں، اور اپنے آنے سے پہلے ڈاکٹر (یعنی مولینا کے فرزند ڈاکٹر احمد فاروق) کو اطلاع دے دیں تاکہ وہ ایئرپورٹ سے اپنی گاڑی پہ لے آئے، کیونکہ یہاں تک آنے کا راستہ بہت مشکل ہے۔ بعد میں مشاہدے سے اس بات کو صحیح پایا۔

پھر ایک دن رختِ سفر باندھا، یعنی اپنا سفری بیگ ساتھ لیا اور ہوائی جہاز کے ذریعے غالباً دو گھنٹے میں بفیلو جا پہنچا۔ ہوائی اڈے سے ڈاکٹر صاحب کو فون کیا۔ پھر عمارت سے باہر آکر اُن کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں ڈاکٹر صاحب اور اُن کے قریبی عزیز مسعود صاحب دونوں گاڑی میں آپہنچے۔ منزل تک جانے میں سہ پہر کا وقت ہوگیا۔ لہٰذا دن کا کھانا گول کیا۔ اور ڈاکٹر صاحب نے میرے حسبِ خواہش چائے کے ساتھ بسکٹ پھل وغیرہ فراہم کردیے۔ نمازِ عصر کے بعد مولانائے محترم اندرونِ خانہ سے اپنے "واکر" کے سہارے کشادہ ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے۔ مجھے بلوایا گیا۔ اوپر کی منزل سے اُتر کر حاضر ہوا۔ مصافحہ کے ساتھ ہی میں نے کہا کہ "مولینا آپ نے تو یہاں بھی کھینچ بلوایا"۔ جواباً مولینا نے غالباً کچھ ایسی بات کہی کہ جہاں ہم ہوں گے وہاں آپ کو آنا ہی ہوگا۔ پھر شاید یہ بھی کہ آخر آپ نے امریکہ دیکھ لیا۔ عرض کیا کہ ایسی کوئی خواہش میرے اندر نہ تھی۔ یوں بھی طبیعت سفر گریز ہوگئی ہے۔ پھر بات کا رُخ مولینا کی صحت کے موضوع کی طرف مڑ گیا۔ ایک بات تو از خود ظاہر تھی، یعنی مولینا کی مجموعی ظاہری حالت اچھی تھی، چہرہ شاداب تھا، لہجے میں اُبھار تھا، گفتگو میں بشاشت کا رنگ تھا۔ میرا خیال ہے کہ یہ خوشگوار عمومی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تبدیلیاں بڑی حد تک ماحول کے بدلنے، جائے قیام کے پُرفضا ہونے، صاحب حیثیت مگر سلیم الطبع اولاد کی خدمت گذاری، بہترین صاف ستھری غذاؤں کی فراہمی، مولینا کی روایت کے مطابق مکمل پابندی اوقات اور ملاقاتیوں کے ہجوم اور مسائل کی یورش میں کمی کا نتیجہ تھیں۔

البتہ معلوم ہوا کہ جوڑوں کا درد بدستور ہے اور ابھی چند ہی روز پہلے (ایک ہفتے سے زیادہ نہیں) درد کا علاج ایک جدید ترین معالجاتی تکنیک سے شروع ہوا ہے۔ یعنی مشین کے ذریعے فوق السماعت قسم کی صوتی لہریں پیدا کی جاتی ہیں جو ماؤف جوڑوں اور ہڈیوں تک حرارت کی لہروں میں بدل کر پہنچتی ہیں اور گوشت سے گذر کر براہ راست مقاماتِ درد پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اندازہ یہ ہوا کہ اس طرز علاج کا جس کا ایک کورس دو ماہ کا ہے، قدرے اچھا ہی اثر ہے۔ مگر اس کے اثرات کا صحیح اندازہ ۲۰، ۲۵ دن کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ مولانا کہہ رہے تھے کہ اگر یہ علاج مفید رہا تو ضروری مشینیں خرید کر واپس پہنچے آؤں گا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بطور علاج مولینا کو ۶، ۷ سیڑھیاں چڑھنے کا تجربہ بھی کرایا جا رہا ہے۔ لیکن فی الحال اس تدبیر علاج کے بارے میں یہ رائے قائم کر لینا کہ مولینا تو اب سیڑھیاں چڑھنے لگے ہیں، درست نہیں ہوگا۔ اگرچہ ہماری خواہش یہی ہے کہ مولینا اس قابل ہو جائیں۔ فی الحال یہ تدبیر علاج ہے، نتیجہ علاج نہیں۔ اس اثناء میں خلیل حامدی صاحب اور نیویارک کے ذکی الدین صاحب بھی آچکے تھے، چائے کا دَور بھی چلا اور باتوں کا حلقہ بھی وسیع تر ہو گیا۔ مولینا نے مجھ سے بھی اور خلیل صاحب سے بھی اِدھر کے حالات دریافت کیے۔ مختصراً ضروری باتیں بتائیں۔ ذکی الدین صاحب نے اسلامی یونیورسٹی کے بارے میں مولینا سے مشورہ طلب کیا۔ خاصا وقت گذر جانے پر ہم نے مولینا سے خود ہی عرض کیا کہ اب شاید آپ کو بیٹھنے میں زحمت ہو رہی ہے۔ آپ واپس تشریف لے جائیں۔ اور ہمارا اندازہ بالکل صحیح تھا۔ مولینا مصافحے کر کے تشریف لے گئے۔

صحبت روشن دلاں یک دم، دو دم   آں دو دم سرمایۂ بود و عدم

شام کا کھانا ڈاکٹر احمد فاروقی ہی کے ساتھ کھایا گیا۔ دستر خوان پر دال کی موجودگی امریکہ میں پاکستانیت کے حلول پر دلالت کر رہی تھی۔ ۱۰ ر ۱۱ بجے ہم تینوں مسافرانِ بے منزل قریبی قصبہ بفیلو کے لیے روانہ ہو گئے جہاں سے اگلے دن ڈیرا ئیبٹ جانا تھا۔

مولینا کی صحت کے سلسلے میں بعد کی تازہ اطلاع یہاں یہ ملی کہ آٹھ دس روز پہلے (۲۳ جولائی کو)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُن کو ایک خاص قسم کا انجکشن ریڑھ کی ہڈی میں لگایا گیا جس سے کمر اور کولہوؤں کے درد میں بہت کمی ہو گئی ہے۔ چہرے کی رنگت بھی بہتر ہو گئی ہے۔ قبض کی شکایت بھی دُور ہو گئی ہے۔ اب چلنے میں بھی پہلے جتنی تکلیف نہیں ہوتی۔ دوسرا انجکشن جو کچھ عرصے بعد لگنا تھا، اب تک لگ چکا ہو گا ۔۔۔ خدا کرے کہ گھٹنوں کے درد کے لیے بھی خدا کوئی ذریعہ شفا مہیا فرما دے۔ اور مولینا زیادہ سے زیادہ بہتر صحت و قوت کے ساتھ واپس آ کر تحریک اسلامی کی مزید خدمت انجام دے سکیں۔

امریکہ میں مختلف ممالک کے مسلمانوں کی خاصی آبادی ہے اور ان میں بہت سے لوگوں کو اچھے درجے کے عہدے یا کاروبار حاصل ہیں۔ ان میں دینی طور پر حساس مسلمانوں کی بڑی اکثریت ہے جو ایک طرف یہ جذبہ رکھتے ہیں کہ اسلام سرزمینِ امریکہ میں پھیلے، اور دوسری طرف وہ ایسی تجاویز سوچتے رہتے ہیں کہ جن کے ذریعے وہ مادہ پرست معاشرے کے فکری سماجی اور اخلاقی مفاسد سے اپنا اور اپنی آئندہ نسلوں کا بچاؤ کر سکیں۔

ایسا ہی ایک پروگرام ہمارے ایک دوست ذکی الدین صاحب کے دل نے تجویز کیا۔ انہوں نے یہ سوچا کہ ہماری نوجوان اولادیں امریکہ کے اندر سے بھی، اور مسلم ممالک سے آ کر بھی اپنے آپ کو امریکی یونیورسٹیوں کے حوالے کر کے جس طرح ایک باطل تہذیب اور ایک غلط نظامِ فکر سے متاثر ہوتی ہیں اس کا توڑ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں ایک اسلامی یونیورسٹی کی تشکیل کی جائے جو آرٹس کے علاوہ سائنس اور انجینئرنگ کے مضامین کی بھی اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ بنے۔ اپنے اس خیال کی دلکشی کے چند اور قدردان بھی ملے، جن کے ذہنی اور مالی تعاون سے انہوں نے اسلامی یونیورسٹی کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ کر لیا۔ مئی کے اوائل میں مجھے اُن کا دعوت نامہ ملا۔ اس میں مجھ سے چاہا گیا تھا کہ میں اپنی تقریر میں یہ بتاؤں کہ علم اور تعلیم ہی انقلاب امامت کا ذریعہ ہیں۔ ابتداءً ارادہ تھا کہ چلا جاؤں گا۔ بعد میں صحت پر دو حملے ایسے ہوئے کہ میں نے طے کر لیا کہ اتنے طویل سفر کی کھکیڑ اٹھانا میرے بس کا روگ نہیں چنانچہ سفر کے لیے کسی بھی قسم کی تیاری کا خیال چھوڑ کر میں دوسرے مشاغل میں لگ گیا۔ جون کے شروع میں ذکی الدین صاحب نے نیویارک سے براہ راست مجھے ٹرنک کال کر کے کانفرنس کی صورتِ حال سے آگاہ کر کے تقاضا کیا کہ اگر تم بھی نہ آئے تو ہماری پوزیشن بہت خراب ہو گی۔ دوسری طرف انہوں نے امیر جماعت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میاں طفیل محمد صاحب کے ذریعے الگ دباؤ ڈالا۔ چاروناچار سرِتسلیم خم کر دیا۔ روانگی سے پانچ چھ دن پہلے جانے کا فیصلہ ہوا جب کہ پاسپورٹ سمیت کاغذات تیار نہ تھے۔ نہ دوڑ بھاگ کے لیے میرے پاس وقت تھا۔ برادرِ عزیز فیض الرحمٰن صاحب (دارالعروبہ، منصورہ) نے بھرپور تعاون بہم پہنچایا۔ یہاں تک کہ ۱۹؍ کو میں لاہور سے روانہ ہوگیا۔ خیال تو تھا کہ کانفرنس کے پہلے روز ہی پہنچ جاؤں گا، مگر سفر میں ایسے پیچ وخم پیش آئے کہ بس آخری روز کے اجلاس ہی میں شرکت کرسکا۔ کئی مندوبین یا مہمان دوسرے شہروں سے آئے ہوئے تھے۔ اور اُن میں سے کچھ چلے بھی گئے تھے۔ اجلاس میں خواتین کا بھی خاصا تناسب تھا۔

میرا خیال ہے کہ میں اس تقریر کا خلاصہ بھی عرض کر دوں جو میں نے اسلامی یونیورسٹی کانفرنس نیویارک کے آخری اجلاس میں کی تھی۔

انگریزی کے آٹھ دس جملوں میں تاخیر سے پہنچنے (اور انگریزی زبان میں ایک اہم موضوع پر خاص تیاری کے بغیر جس کا وقت ہی نہ ملا تھا) گھٹی ہوئی تقریر[1] روانی سے نہ کر سکنے کی معذرت کرنے کے بعد، میں نے اُردو میں اپنے خیالات کا اظہار کیا جن کا انگریزی ترجمہ اجلاس میں پیش کر دیا گیا۔ پھر کچھ سوالات ہوئے، اُن کے جوابات عرض کیے گئے۔

میری تقریر کے نکات یہ تھے،

۱۔ دنیا میں جب کبھی کوئی انقلاب آتا ہے تو اس کے پیچھے ایک خاص طرح کا سرمایۂ علم اور ایک فکری نہج کام کر رہا ہوتا ہے۔ انقلاب کا سلوگن یا طغریٰ ایک خاص طرح کے علم کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

۲۔ اِس سرزمین پر جب انقلاب آیا تو اس کے ہاتھ میں اعلامیہ آزادی کا پرچم تھا۔ یہ اعلامیہ انسانیت کے احترام اور اسے خدا کی طرف سے ملنے والے غیر منفک مساویانہ حقوقِ آزادی کے اعتراف پر مشتمل تھا۔

---

[1] سفر میں تو ارادہ یہ تھا کہ جانے سے پہلے تقریر کا انگریزی ترجمہ مطبوعہ صورت میں لے جاؤں گا اور اس کو پڑھ دوں گا، نیز مطبوعہ کاپیاں تقسیم کر دی جائیں گی۔ مگر بعد میں تو اُردو کی تقریر کو بھی بطورِ خاص تیار کرنے کا موقع نہ ملا۔ تقریباً فی البدیہ ہی بات کرنی پڑی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امریکی اعلامیۂ آزادی میں کچھ ایسی سچائیاں تھیں کہ جن کی طرف ساری دنیا کی توجہ مبذول ہوئی اور ایک نگاہ اُمید سے اقوامِ عالم نے اس طرف دیکھنا شروع کیا کہ اس انقلاب سے اب کیا ظہور میں آتا ہے۔

۳۔ لیکن جب عملاً امریکہ کی نئی سیاسی زندگی تاریخ کی راہ پر چلی تو امریکہ کی اصل ریڈ انڈین آبادی اور افریقہ سے جبراً پکڑ پکڑ کر لے جائے ہوئے غلاموں کی نسل کو خداوندانِ تہذیب کے ہاتھوں نہایت خوفناک وحشیانہ سلوک سے گزرنا پڑا۔ اسی کے ساتھ ساتھ سرمایہ پرستی نے زور پکڑا، طبقاتی تقسیم بڑھتی گئی، انتخابی ساز باز، سیاسی جوڑ توڑ اور سفارتی ہیر پھیر اپنی مکروہ شکلوں کے ساتھ نمایاں ہونے لگے، جرائم کی افزائش، اخلاقی فرومائیگی اور جنسی بے راہ روی نے معاشرے کی مذہبی و روحانی اقدار اور انسانی رابطوں کو تباہ کرنا شروع کیا اور ملحدانہ، مادّہ پرستانہ اور حیوانی تصورِ حیات پوری طرح چھا گیا۔

۴۔ اس تجربے نے شہادت دی کہ امریکی انقلاب اور اس کے اعلامیۂ آزادی کے پیچھے جو علم کام کر رہا تھا وہ پوری طرح حقیقت و صداقت کا آئینہ دار نہ تھا۔

یہی بات انقلابِ برطانیہ و فرانس پر بھی منطبق ہوتی ہے۔

۵۔ آج یہ بات اور بھی نمایاں ہو گئی کہ امریکہ جس روز افزوں سرمایۂ علم کے بل پر کھڑا ہے، وہ اسے اتنا معمولی سا منصفانہ نقطۂ نظر دینے میں کوتاہ ہے کہ ایک جیسے حالات کے لیے یکساں اُصول برتے جائیں۔ اگر اسرائیل جوہری بم بنا لے اور اس کے لیے بحری قزاقی سے یورینیم حاصل کر لے، اور بھارت کئی کئی ایٹمی بھٹیاں اور ری ایکٹر قائم کر کے جوہری دھماکہ بھی کر لے تو اس سے کوئی وجہ پریشانی پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن پاکستان اگر محض صنعتی پاور کے حصول کے لیے جوہری توانائی سے کام لینے کی تگ و دو کرے تو پوری ڈپلومیٹ قوت اس کے خلاف صرف کر دی جائے بلکہ یہودی ذہن کے تحت کام کرنے والی پروپیگنڈا مشینری اسلامی ہائیڈروجن بم کی ایسی شاندار کہانی تیار کر کے پھیلاتی ہے کہ مغرب کا ذہین و فطین آدمی یوں محسوس کرتا ہے کہ بس بم اُس کے سر پہ آ کے پھٹا کہ پھٹا۔ اتنا ہی نہیں، امریکی ڈپلومیسی کھلم کھلا روس اور بھارت اور اسرائیل کو اُکساتی ہے کہ وہ پاکستان کے جوہری مرکز کو تباہ کرنے کے لیے جارحانہ اقدامات کریں، بلکہ آخری اطلاع یہ ہے کہ خود امریکہ کے وائٹ ہاؤس میں ایسی کھسر پھسر ہو رہی ہے۔

پھر یہ دیکھیے کہ امریکی انقلاب جس کی اساس ہی اس تصور پہ ہے کہ ایک دا اپنی بھاری اکثریت کے نقطۂ نظر کے مطابق) جس طرح کا سیاسی نظام چاہے قائم کرے اس میں کسی کو مداخلت کا حق نہیں ہے (باقی برصفحہ ۳۸

© rasailojaraid.com